آصف تنویر نجیب اللہ تیمی

دعوت وتبلیغ کی ناکامی (اسباب وعلاج)

دعوت وتبلیغ ایک خدائی حکم، انبیائی مشن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اس امت کا مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿کنتم خیر امۃ أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں ہی کے لیے پیدا کی گئی ہو کہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''اس امت (محمدیہ) کی خیریت اور بھلائی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی رہے۔ جب دعوت کی صفت اس سے ختم ہو جائے گی تو اس کا اختصاص اور امتیاز بھی جاتا رہے گا۔'' (تفسیر فتح القدیر، ص:۲۸۳)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور پوچھا:

أی الناس خیر؟ قال "خیر الناس أقرأہم وأتقاہم وأمرہم بالمعروف وأنہاہم عن المنکر، وأوصلہم للرحم" (تفسیر القرآن العظیم۔ ج:۱، ص:۵۰۱)

کون لوگ اچھے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر لوگ، سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے، اللہ سے ڈرنے والے، سب سے زیادہ لوگوں کو بھلائی کا حکم اور برائی سے باز رکھنے والے اور سب سے زیادہ رشتہ داری جوڑنے والے ہیں۔

اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں امت کے افراد کو دعوت وارشاد کا حکم دیا اور اس کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ وہیں اس اہم ذمہ داری کے اصول اور طریقے سے بھی آگاہ کر دیا ہے تاکہ اس راستے کو اپنا کر ہماری دعوت زیادہ سے زیادہ کامیاب اور مثمر ثابت ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر دعوت کے اصول بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا:

﴿ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی أحسن﴾ (النحل:۱۲۵)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ''اس آیت میں تبلیغ ودعوت کے اصول بیان کیے گئے ہیں جو حکمت' موعظۂ حسنۃ اور جدال بالأحسن پر مبنی ہیں۔ حکمت سے مراد قرآن وحدیث ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کی نازل کردہ باتیں ہیں۔ ان سے زیادہ پُر حکمت بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ گویا دعوت کی اصل بنیاد صرف اور صرف قرآن وحدیث ہونی چاہیے نہ کہ اقوال الرجال یا فلسفیانہ اصول واستدلالات۔ موعظہ حسنہ سے مراد زجر وتوبیخ اور تہدید ووعید ہے جو قرآن کریم میں اللہ کے نافرمانوں کے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ قصص وواقعات جو تکذیب کا راستہ اختیار کرنے والی قوموں سے متعلق ہیں' تاکہ لوگ انہیں سن کر عبرت پکڑیں اور اس برے انجام سے بچنے کی سعی کریں' جن سے پچھلی قومیں صرف اللہ کے دین سے اعراض کرنے کی وجہ سے دوچار ہوئیں۔ جدال بالأحسن (اچھے طریقے سے جدال) کا مطلب ہے کہ بحث ومناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو عام حالات میں یہ کام نرمی اور پیار سے کیا جائے جس سے سب وشتم اور طعن وتشنیع نہ ہو۔'' (تفسیر احسن البیان' ص:۶۷۲)

لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ دعوت وتبلیغ کے ان واضح اصول کے ہوتے ہوئے ہمارے بہت سارے داعیان عظام دعوت وارشاد کا بہت ہی گھٹیا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی دعوت کی محنت بے سود ثابت ہوتی ہے اور بسا اوقات ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کافی نقصان اور جگ ہنسائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ویسے تو ہماری دعوت کی ناکامی کے بہت سارے اسباب ومحرکات ہیں' مگر ذیل میں چندان اسباب کو ذکر کیا جا رہا ہے جو ہماری دعوت کے لیے سم قاتل اور زہر ہلاہل ہیں۔

قول وعمل میں تضاد﴾......

ہماری دعوت کی ناکامی اور بے اثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہمارے کردار وگفتار میں پایا جانے والا

تضاد اور غیر یکسانیت ہے۔ہم مجلس دعوت میں ہوتے ہیں تو اسلام وایمان کی صداقت' سچائی اور حقانیت پر قرآن وحدیث سے دلائل وبراہین کے انبار لگا دیتے ہیں اور جب اپنے عمل کرنے کی باری آتی ہے تو ساری دلیلیں دھری رہ جاتی ہیں اور خلافِ شریعت اعمال انجام پا جاتے ہیں۔ گویا اپنے اس عمل سے اپنے سابقہ قول کے بطلان کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ جب ہماری صورت یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی چیز کو صحیح ثابت کرتے ہیں اور پھر دوسری مرتبہ اپنے عمل سے اس کی خلاف ورزی کر دیتے ہیں تو بھلا بتائیں ہماری دعوت کیوں کر کامیاب ہوسکتی ہے؟ بلکہ ہماری دعوت وتبلیغ کا یہ طریقہ کتاب وسنت اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراسر خلاف ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لم تقولون ما لا تفعلون﴾ (الصف:۲)

''تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو؟ جس پر تم خود کار بند نہیں ہو۔''

اور ایسے ہی ایک جگہ فرمایا:

﴿كبر مقتا عند الله أن تقولوا ما لا تفعلون﴾ (الصف:۳)

''یہ نہایت ہی ناپسندیدہ عمل ہے کہ تم کوئی بات کہو جس سے تمہاری زندگی خالی ہو''

اگر آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا دعوتی نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ ہر وہ عمل جس کی تعمیل کا آپ نے حکم دیا' پہلے خود اس کو عملی صورت میں پیش کیا۔عقائد' عبادات' معاملات' جنگ' سیاست' معاشرت اور معیشت غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ حیات میں جس میں خالق کی معصیت نہ ہوتی ہو یا محظور من عنداللہ نہ ہو آپ کا اسوہ موجود ہے۔

لہٰذا ہمیں بھی جو دعوت دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں' اپنی سیرت وکردار کو اپنے قول کی روشنی میں رنگنی چاہیے تا کہ ہماری دعوت موثر اور کامیاب ہو سکے۔

لایعنی طوالت ﴾......

آج کچھ پیشہ ور دعاۃ اس قدر طویل تقریر کرتے ہیں کہ سامعین اکتاہٹ اور بیزاری محسوس کرنے لگتے ہیں۔بعض مقررین اور خطباء حضرات تو پوری پوری رات دعوت کے نام پر شب بیداری کرواتے ہیں جو کہ کسی بھی اعتبار سے جائز اور درست نہیں ہے۔ بلکہ خطبہ اور دعوت کا موضوع مختصر اور جامع ہونا چاہیے۔اس قسم کی طویل تقریر سے کئی قسم کی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

۱۔ سنت رسول کی خلاف ورزی ......

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا وطیرہ تھا کہ آپ رات میں کچھ دیر جاگ کر عبادت کرتے اور پھر سوجاتے تاکہ جسم آئندہ کل کے نشاطات کے متحمل ہوسکے۔

۲۔ فجر کی نماز کا فوت ہونا ......

دیر رات یا پوری رات جاگتے رہنے سے اکثر لوگوں کی نمازیں چھوٹ جاتی ہیں اور وہ جماعت کے ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں جوکہ تقریر وتحریر اور جلسہ وجلوس سے کہیں افضل ہے۔

۳۔ عام مجبور و بیمار لوگوں کی تکلیف ......

آج کل جو تقریر ودعوت کا سسٹم اور رواج ہے' اس کو دیکھتے ہوئے تقریباً ہر دعوتی مجلس میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے۔ جس کی آواز تیز تیز دور دراز تک پہنچتی ہے۔ جو بیمار' بوڑھے اور قلب کے مریض کے لیے کافی پریشان کن ہوتی ہے۔ اگر معمولی وقت کے لیے ہو تو اسے انگیز کیا جاسکتا ہے' پوری رات کسی کو پریشانی اور تکلیف میں مبتلا رکھنا۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس امت کے سب سے بڑے داعی حق تھے' ان کا بھی طرز عمل مکمل سنت کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنی دعوت میں کوئی ایسا طریقہ نہیں اپناتے تھے کہ مدعوئین وشرکاء دعوت وتقریر سے بیزاری محسوس کرنے لگیں۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لوگوں کو جمعہ جمعہ وعظ کیا کرو' اگر اس سے زیادہ ہو تو ہفتہ میں دوبار۔ اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو تو تین بار اور لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو۔ اور ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس ایسے وقت میں آؤ جب وہ اپنی کسی دلچسپی میں ہوں اور اس وقت ان کو وعظ سنانا شروع کردو اور اس کا نتیجہ بیزاری ہو۔ ایسے موقع پر خاموش رہو۔ یہاں تک کہ لوگ تم سے خواہش کریں تو ان کو سناؤ تاکہ تمہارا وعظ رغبت سے سنیں۔ (رواہ البخاری)۔

ہمارے دعاۃ ومبلغین کو چاہیے مذکورہ دلائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی بات مختصر اور مدلل طریقے سے مدعو کے سامنے پیش کریں۔ اگر اخلاص' توکل علی اللہ اور جرات مندی ہوگی تو ان شاء اللہ ضرور لوگ آپ کی باتوں کو درخور اعتناء سمجھیں گے اور اس طرح آپ کی دعوت کامیاب ہوگی۔

اندازِ بیان میں کسیلاپن نہ ہو ......

ہمارے بہت سارے مبلغین کی دعوت کا انداز مصلحانہ ہونے کے بجائے مفسدانہ اور متعصبانہ ہوتا

ہے۔ان کی زبان میں سختی اور صلابت پائی جاتی ہے۔ بسا اوقات وہ اس قدر جذبات میں آ جاتے ہیں کہ ان کی زبان سب وشتم سے بھی محفوظ نہیں رہنے پاتی ہے۔جس سے دعوت کی محفل فسق وفجور کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ جوکہ ایک نیک اور صالح داعی کی روش ہرگز نہیں ہوسکتی۔

داعی الی اللہ کی زبان میں تو اس قدر مٹھاس' محبت' نرمی اور لطافت ہوتی ہے کہ ہر کوئی اس کا اسیر ہو جائے۔داعی کے ہر جملہ سے مدعو کی ذات کے تعلق سے کامیابی اور شیفتگی نمایاں اور ظاہر ہو۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی یہی خوبی اور خصلت تھی کہ ہر سننے والا ان کا ہم رائے اور ہم خیال بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الأمر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين﴾ (آل عمران:۱۵۹)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے' سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔ پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں' بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

چنانچہ ہماری بھی دعوت کی کامیابی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ہم بھی جدال' مناظرہ' تعصب' نکتہ چینی کا راستہ ترک کر کے پوری ہمدردی کے ساتھ مدعو کی اصلاح کی کوشش کریں۔ بلا اس اصلاح کے دعوت کی کامیابی کی امید رکھنا خام خیالی اور توقع بے جا ہوگی۔(یالیت قومي یعلمون)

سرعت رفتاری﴾......

دورِ حاضر میں برق رفتاری اور دعوت کی تیزی کو دعوت اور داعی کا کمال تصور کیا جاتا ہے اور خاص طور سے پیشہ ور مقررین اس چیز کو اپنے لیے ایک عظیم اسلحہ سمجھتے ہیں۔ جوکہ کسی بھی طرح دعوت کے لیے مفید اور مناسب نہیں ہے۔اس لیے کہ دعوت کا مطلب ہے کہ مدعو کے ذہن ودماغ میں اپنی بات کا اتارنا اور اس کو گناہ کے راستے سے پھیر کر حق کی راہ پر لگا دینا اور یہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے' جب مدعو داعی کی بات اچھی طرح سمجھے' جو داعی کی سرعت سے حاصل نہیں ہوتی۔جس کی بناء پر دعوت اس طرح مثمر ثابت نہیں ہوتی جتنی کہ ہونی چاہیے۔دعوت وتبلیغ میں افہام وتفہیم کا معاملہ ہونا چاہیے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گفتگو کرتے ہوتے' نہایت واضح اور صراحت کے ساتھ کرتے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس موجود صحابہ کرام اسے حفظ کرلیا کرتے تھے۔'' (ترمذی مع التحفہ۔ج:۱۰،ص:۸۵)

ایک دوسری روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی باتوں کا تین بار تکرار کرتے تھے تاکہ سمجھنے والا ان باتوں کو بہتر طریقے سے سمجھ سکے۔'' (ترمذی مع التحفہ ج:۱۰،ص:۸۶)

ہم دعاۃ ومبلغین کی جماعت کو مذکورہ دلائل سے نصیحت کرنی چاہیے اور سرعت رفتاری سے باز آنا چاہیے جوکہ ہمارے شب وروز کی محنت کو اکارت کرنے والی چیز ہے۔

تدریج کی کمی......

ہمارے داعیان دین میں ایک بہت بڑی خرابی یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ اپنی دعوت میں تدریج و ترتیب کا بالکل خیال نہیں رکھتے اور ایک ہی مجلس میں عقائد وعبادات سے لے کر جنگ وصلح اور مساوات و رواداری تک کے موضوعات کو سامعین کے سامنے پیش کرڈالتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سامع ذہنی طور پر اضطراب وپریشانی کا شکار ہوجاتا ہے۔ اسے سمجھ میں نہیں آتی کہ کس کو عملی طور پر مقدم کیا جائے اور کسے مؤخر کرنا چاہیے۔ اس ذہنی کشمکش میں اس وقت نکلتا جاتا ہے اور وہ کچھ نہیں کرپاتا۔

اس لیے بہتر ہے کہ دعاۃ اپنی دعوت میں تدریج وترتیب کی مکمل پابندی کریں اور مدعو کی صلاحیت، ذہنی عمق اور علمی گہرائی وگیرائی کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے سب سے اہم موضوع کو سب سے مقدم اور جس کی کم ضرورت پڑتی ہے اسے بعد کے مراحل میں سامعین کے سامنے رکھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا یہی اسلوب اور طریقہ تھا کہ وہ پہلے سائل یا مدعو کے حالات وکوائف کا اندازہ کرلیتے اور پھر اس کی حالت کے مطابق جواب یا دعوت پیش کرتے تاکہ وہ اس کو انگیز کرسکے اور سر کے اوپر سے گزرے بغیر دل میں اتر جائے۔ چنانچہ ہمیں بھی اس ڈگر پر چلنے کی ضرورت ہے جو ہماری دعوت کے لحاظ سے زیادہ ثمرآور اور فائدہ مند ہو اور میری سمجھ میں راہ رسول سے بہتر راہ کوئی اور نہیں ہوسکتی۔

آخر میں علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی کے اس حکیمانہ مشورہ کو ذکر کردینا چاہتے ہیں جو ہر داعی کا مطمح نظر اور ترجیح اولیں ہونا چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''دعاۃ الی اللہ کو ایسا پُر اسلوب اور طرز بیان اختیار کرنا چاہیے جوکہ ہر قسم کے الجھاؤ، پیچیدگی سے پاک ہو اور جس کا مقر انسانی قلوب واذہان سے ہو۔'' (تیسر الکریم الرحمٰن ص:۴۵۲)

اللہ عزوجل ہمارے دعاۃ ومبلغین کو قلب سلیم اور حکمت ودانائی عطا کرے اور ان راستوں کو اختیار کرنے کی توفیق عطا کرے جو دعوت اسلامی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ سودمند ثابت ہوں۔ وماتوفیق الا باللہ۔